علمی مذاکرہ دینی مدارس اور عصری تقاضے

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین*

sheikh.hasnain2000@gmail.com

حرف آغاز

۳۰، مارچ ۲۰۱۳ء کو جامعۃ الرضا بہارہ کہو اسلام کی لائبریری میں" دینی مدارس اور عصری تقاضے " کے عنوان پر ایک علمی مذاکرے کا انعقاد کیا گیا۔ اس علمی مذاکرہ میں جناب ڈاکٹر محمد طفیل (پروفیسر اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد) جناب ڈاکٹر محمد جمیل قلندر (پروفیسر نمل یونیورسٹی، اسلام آباد) دانشور جناب ثاقب اکبر صاحب، حجۃالاسلام جناب سید حسنین عباس گردیزی (پرنسپل، جامعہ الرضا) حجۃالاسلام ڈاکٹر ساجد علی سبحانی (مدرس، جامعہ الرضا، بارہ کہو، اسلام آباد) اور ڈائریکٹر نمت ڈاکٹر شیخ محمد حسنین کے علاوہ جامعہ ہذاکے اساتید و طلاب اور چند دیگر دینی مدارس کے فاضل طلاب نے بھی شرکت کی۔ اس مذاکرہ میں شرکاء کی طرف سے "دینی مدارس اور عصری تقاضے" کے عنوان پر انتہائی اہم نکات بیان کیے گئے جن کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

جناب ڈاکٹر محمد طفیل (پروفیسر، اسلامک یونیورسٹی)

اس علمی مذاکرے میں جناب ڈاکٹر محمد طفیل صاحب نے جن علمی نکات پر گفتگو کی، اُن کا خلاصہ یہ ہے:

ا۔ دینی علوم کی اہمیت اور اُن کی سر گذشت

ا۔ اسلام علم کا دین ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیہ مبارکہ : " وَعَلَّمَ اٰدَمَ الاَسمَاءَ کُلَّھا " (اور آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی)، اسی طرح آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی شان میں نازل ہونے والی آیت مبارکہ : "و علّمك مالم تكن تعلم "اور آپ کی دعا:" ربّ زدنی علما" نیز آپؐ کا ارشاد گرامی :"الحكمة ضالة

*۔ محقق، استاذ فلسفہ اسلامی، ڈائریکٹر نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)، بارہ کہو، اسلام آباد۔

المؤمن" اور " اطلبوا العلم من المهد الی اللحد" جیسی تمام نصوص شرعیہ، دین اسلام میں علم کی اہمیت وافادیت اور ضرورت کو ثابت کرتی ہیں۔ یہ نصوص نہ صرف مسلمانوں کو ہر طرح کا علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ بلکہ یہ نصوص مسلمانوں کو تسلسل کے ساتھ زندگی کے تمام مراحل میں تعلیم کا درس دیتی ہیں۔

۲۔ دین کا علم حاصل کرنا معاشرہ کے کچھ لوگوں پر فرض ہے جس کے لئے ارشاد الٰہی ہے: "وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ" اس آیت مبارکہ کا منشاء یہ ہے کہ ہر دینی معاشرے میں عموماً اور اسلامی معاشرے میں خصوصاً ایسے ماہرین دین تیار ہوں، جو انسانوں کو دینی رہنمائی فراہم کریں اور دینی تعلیمات کی جدید تقاضوں کے مطابق تعبیر و تشریح کریں۔

۳۔ علم سراپا منفعت ہے۔ مضرت کا پہلو وہی ہے جس کی نشاندہی وحی الٰہی نے کی ہے۔ تمام علوم جلب منفعت اور دفع مضرت کے لئے ہیں۔ علم کی غایت "جلب منفعت اور دفع مضرت" ہے۔ تاکہ انسانی اور اسلامی معاشروں میں نیکی کو فروغ ملے اور برائی کا قلع قمع ہو۔ اسلام میں جس قدر جلب منفعت اہم ہے۔ اسی قدر دفع مضرت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ برائی کا ختم کرکے ہی اچھائی کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔

۴۔ علم مسلمانوں کی میراث ہے۔ مسلمانوں نے ہمیشہ پوری بے جگری سے علوم کی آبیاری کی ہے اور علوم میں یہ ترقی اور تسلسل اسی لیے جاری ہے۔ اسلام میں حصول علم کا باقاعدہ آغاز اصحاب صفہ سے ہوا اور آج تک یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مسجد نبوی میں ایک چبوترے پر علم کی شمع روشن کی اور وہاں اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو وحی کی تعلیمات کا درس دیا۔ آپ کی اتباع میں قائم ہونے والی ہر تعلیمی درس گاہ نہ صرف صفہ کا تسلسل ہے، بلکہ اسی علمی شمع کے نور کا پرتو ہے۔

۵۔ زمانہ جاہلیت میں بھی علوم وفنون موجود تھے۔ اسلام نے ان کے بارے میں تین رویے اختیار کئے:

- بعض علوم کو من وعن قبول کرلیا؛ جیسے انسانی عظمت اور انسانی حقوق کے علوم
- بعض علوم وفنون کو سرے سے مسترد کردیا؛ جیسے جادو، منتر، کہانت وغیرہ
- بعض علوم کو ضروری اصلاح کے ساتھ قبول کرلیا؛ جیسے جنگی اور عسکری علوم وفنون

۶۔ عہد رسالت، عہد خلافت، اور عہد عباسی سے لے کر آج تک دینی مدارس کے قیام کا سلسلہ جاری ہے۔ نظام مدرسہ دنیا کا سب سے بڑا NGO ہے۔ جس میں لاکھوں، بلکہ کروڑوں طلبہ تعلیم وتربیت پاتے

ہیں اور ایک عمدہ انسان، ایک مثالی مسلمان اور باکردار انسان بن کر یہاں سے فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔ انہیں مدارس کی بدولت اسلامی تعلیمات اپنی حقیقی روح، اصلی شکل وصورت میں اور عملی طور پر موجود ہیں۔ یہ دینی مدارس اسلامی تعلیمات کے قلعے اور اسلامی قدروں کے امین ہیں۔

۷۔ عہد رسالت میں مدرسہ کا نصاب قرآن و سنت اور کچھ ادبیات تک محدود تھا۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ، ضروریات زمانہ کے مطابق اس میں اضافہ ہوتا گیا۔ شروع میں دینی مدارس کے نصاب کا محور طلباء کیلئے ''جلب منفعت اور دفع مضرت'' ہی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ نصاب میں نئے درسی متون شامل ہوتے چلے گئے۔ بنی عباس کے دور سے پہلے روایتی یا Traditional علوم کا دور دورہ تھا، لیکن اس دور میں عقلی علوم بھی پروان چڑھے۔ یوں اسلام کی روح کے مطابق دینی تعلیمات کو نقلی اور عقلی دونوں چشموں سے سیراب کیا گیا۔ مسلمان علماء جہاں پیغام وحی سے استفادہ کرتے ہیں۔ وہاں وہ عقل سے بھی کما حقہ استفادہ کرتے ہیں۔

۸۔ برصغیر میں دینی مدارس کا نظام ایک طرح کا نجی نظام تعلیم تھا۔ جو موئثر بھی تھا اور معاشرے کی دینی ضرورتوں کا کفیل بھی۔ برصغیر کا نظام تعلیم، پانچ ادوار پر مشتمل ہے اور ہم پانچویں دور کا حصہ ہیں۔ اس دور میں تقریباً ڈیڑھ دو سو سال تک مدرسہ کے نظام تعلیم میں طلبہ کو ۱۵ عقلی اور نقلی علوم پڑھائے جاتے رہے ہیں۔ یہ علوم صرف، نحو، بلاغت، ادب، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، حکمت، کلام، ریاضی، مناظرہ، تفسیر، حدیث اور فرائض سے عبارت تھے۔ یہ علوم وفنون ہماری روایت کے امین ہیں، مسلمانوں نے اپنے وقت میں ان سے فائدہ اٹھایا؛ لیکن دینی مدارس کا موجودہ نصاب سو، ڈیڑھ سو سال پرانا ہے اس نصاب کی کتب بہت مشکل ہیں اس نصاب کے مواد پر لسانی اور عقلی علوم کا غلبہ ہے۔

اس نصاب میں وحی کے علوم کم کم ہیں، اس لیے نصابی کتب اور ان کے مواد پر نظر ثانی اور اس کی تہذیب کی اشد ضرورت ہے۔ ان علوم کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ان علوم میں پڑھائے جانے والے مواد کا نیا خاکہ تیار کرنا ضروری ہے۔ نئے خاکہ کے مطابق نئی نصابی کتب ترتیب دینا اور اساتذہ کو ان کے مطابق تربیت کا نظام فراہم کرنا بھی ضروری ہے۔ دینی علوم وفنون میں ارتقا کا عمل جاری رہتا ہے۔ مسلم مفکرین جدید دینی علوم اور اجتہادی نظریات کو ضبط تحریر میں لاتے رہتے ہیں۔ نیز مسلم فکر کے مسلسل ارتقاء نے دینی علوم وفنون میں دُوررس تبدیلیاں کی ہیں، اس لیے دینی مدارس کے نصاب کو جدید خطوط پر مرتب کرنا لازمی ہے۔ تاکہ دینی اور عصری علوم میں قرب اور ہم آہنگی پیدا کی جاسکے۔

۲۔ اتحاد علم

۹۔ اتحاد علم کے باب میں ڈاکٹر محمد طفیل کا کہنا تھا کہ داخلی کمزوریوں، روایت پرستی اور خارجی عوامل کے تحت ہمارا نظام تعلیم شنویت (dualism) کا شکار ہے۔ ہم دینی تعلیم کے نظام اور دنیاوی تعلیم کے نظام کو ایک دوسرے سے بہت دور کھڑا دیکھ رہے ہیں۔ اور ان دونوں نظاموں کے طلبہ میں بھی باہم دوریاں ہیں۔ ان کے مقاصد ہی ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں۔ اس لیے ان دو نظاموں نے معاشرے کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس لیے ہمیں دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم، ان دونوں نظاموں کو قریب لانا، بلکہ ایک بنانا ہے۔ پاکستان میں علم کی وحدت یا (Integrationof Knowledge) کے حوالے سے دو متفاوت تجربے ہو چکے ہیں: جن کے نتائج بھی پوری طرح معاشرے پر مرتب نہیں ہوئے۔

- **پہلا تجربہ:** ایک تجربہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور کا ہے جو 60 کی دہائی میں کیا گیا۔ جامعہ اسلامیہ، میں دینی علوم کو اصالت حاصل تھی؛ یونیورسٹی کا نصاب دینی رکھا گیا اور روشیں جدید تھیں۔ درحقیقت جامعہ اسلامیہ میں درس نظامی کے مضامین کو اصل بنایا گیا۔ جدید علوم جیسے اسلامی تاریخ، معاشیات، تقابل ادیان اور انگریزی زبان کے مضامین کو ثانوی حیثیت دی گئی۔ تاہم جدید علوم غالب آگئے اور دینی علوم سکڑ کر رہ گئے۔
- **دوسرا تجربہ:** جو کہ Islamization of Knowledge کا تجربہ تھا۔ یہ تجربہ ضیاء الحق کے دور میں کیا گیا۔ اس تجربہ کے تحت عصری علوم کو اصل درجہ دیا گیا اور دینی علوم کو ان کے ساتھ شامل کیا گیا۔ اس تجربہ میں گویا "اصل الاشیاء اباحۃ" کے اصول پر دنیاوی علوم سب پڑھے جا سکتے تھے؛ محض یہ دیکھنا تھا کہ اگر کہیں کچھ علوم میں توحید و رسالت کے منافی مواد موجود ہے تو اس کی تہذیب کر دی جائے۔ اس تجربہ کی روشنی میں "محی الدین اسلامی یونیورسٹی" کا نصاب مرتب کیا گیا جس میں عصری علوم اصل تھے اور دینی علوم ان کا لازمی حصہ بنے۔ یہ تجربہ بھی زیادہ سود مند ثابت نہ ہوا کہ عصری علوم نے دینی علوم کو نقل کیا اور یہ جامعہ بھی اپنا دینی تشخص برقرار نہ رکھ سکی۔
- ڈاکٹر محمد طفیل صاحب کا کہنا تھا کہ پاکستان سے باہر دیگر مسلمان ممالک میں بھی ایسے تجربات ہوئے ہیں۔ ہمیں ان تجربات کو بھی دیکھنا چاہیے۔ مثال کے طور پر ایران میں ہونے والے تجربے "وحدت حوزہ و دانشگاہ" کا مطالعہ کیا جائے۔ جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، قم المقدس کے نظام تعلیم میں

ہونے والی تبدیلیوں کا مطالعہ کیا جائے۔ اسی طرح جامعۃ الازہر کلیہ دار العلوم قاہرہ، جامعہ محمد ابن سعود الاسلامیہ، الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ، جامعہ اسلامیہ ملائیشا، جامعہ اسلامیہ اسلام آباد اور دار العلوم بھیرہ کے نصاب کا بھی مطالعہ کیا جائے۔ در حقیقت اس وقت ان تمام نصابوں کو سامنے رکھ کر جامعہ کی سطح پر ایک نیا نصاب ترتیب دینے کی اشد ضرورت ہے۔

۳۔ اتحاد علم کے حوالے سے چند عملی تجاویز

اتحاد علم کے باب میں ڈاکٹر محمد طفیل صاحب کا کہنا یہ تھا کہ ہمارے مطابق سب علوم مفید ہیں۔ تاہم ہمارا پیمانہ یہ ہے کہ وحی الٰہی سے جو ہدایت ملی ہے وہ تمام علوم سے بالاتر ہے۔ انہوں نے اپنے خطاب کے اختتامی مراحل میں Knowledge of Integration کو عملی شکل دینے کے لیے چند عملی تجاویز بھی دیں۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہمارے ہاں عام نظام تعلیم ۲۳ سال کے دورانیہ پر محیط ہے۔ جس میں سکول کی تعلیم ۱۲ سالہ، بیچلر کی تعلیم ۴ سالہ، ماسٹر کی تعلیم ۲ سالہ اور پی ایچ ڈی کی تعلیم ۵ سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ جب کہ دینی نظام تعلیم میں تعلیم کی مدت ۲۴ سال کر دینا چاہیے۔ جس میں اسکول کی تعلیم ۱۲ سال، دینی علوم کی تعلیم ۸ سال، تخصصی مواد کی تعلیم ۲ سال اور مشقی مطالعہ ۲ سال تک ہو۔

اس اختصار کی تفصیل یہ ہے کہ مسلم ممالک کے تمام طلبہ کے لیے بارہ سال کا مشترک نصاب مرتب کیا جائے۔ جس میں دس سال تک طلبہ یکساں نصاب تعلیم سے استفادہ کریں۔ باقی ماندہ دو سالوں میں طلبہ کو ان کے اپنے اپنے پسندیدہ مضامین، موضوعات اور مجموعہ مضامین (Group) اختیار کرنے کی سہولت میسر ہو۔ یہ بارہ سالہ نصاب مشترک ہو کہ اس کی تکمیل کے بعد طلبہ دینی علوم یا عصری علوم میں سے کسی بھی علم میں مہارت یا تخصص حاصل کر لے۔ اس نوعیت کا نصاب ترکی کے مدارس اوقاف میں رائج ہے۔

بارہ سال کی تکمیل کے بعد طلبہ طب، ہندسہ، تجارت، لسانیات، سماجی علوم، اعلامی علوم، تفسیر، حدیث، فقہ، تقابل ادیان، سیرت طیبہ، عقلی علوم، عربی علوم اور ثقافتی علوم میں سے جس علم میں چاہیں بآسانی داخل ہو کر اپنی تعلیم مکمل کر سکیں اور تخصص کا مقام بھی حاصل کر سکیں۔

اس حوالے سے ڈاکٹر محمد طفیل کی مزید تجاویز یہ تھیں کہ:

ا۔ ہم ابتدائی ۱۲ سال میں دینی مدارس میں مشترکہ مواد کی تعلیم دیں۔ صرف، نحو، علم فقہ، تفسیر، سیرت، تاریخ، حساب، انگریزی، وغیرہ سب پڑھائے جائیں۔ مشترکہ نصاب پڑھنے کے بعد B.S کی طرح

گروپنگ کی جائے اور ۱۳ویں سال میں ہمیں تفسیر، علوم القرآن، حدیث، علم کلام، عقلی علوم، ملل و نحل، اشاعت دین، اور آئی ٹی وغیرہ کا نصاب پڑھایا جائے۔ نیز اسلام کو درپیش Challenges کا جواب دینے کے لیے اور نصاب سازی کے لیے الگ شعبہ تشکیل دیا جائے۔ دینی نظام تعلیم میں نئے علوم کو بھی متعارف کرانے کی ضرورت ہے۔ مثلاً انسان شناسی، سائیکالوجی، عمرانیات، (سوشیولوجی)، کمیونی کیشن اسکلز وغیرہ۔

۲۔ پاکستانی معاشرہ کی ضروریات کو بھی دینی مدارس کے نصاب میں شامل رکھا جائے۔ یہاں ادیان و مذاہب، فقہ مقارن، علم کلام مقارن، سیرت طیبہ، اسلامی تصوف وعرفان اور دینی تحریکات کو شامل نصاب کرنا ضروری ہے۔

۳۔ موجودہ نسل کے طلبہ میں شکست خوردگی اور مستقبل کی پریشانی اور ناامیدی کا احساس پایا جاتا ہے۔ اسے ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لیے مسلمانوں کا شاندار ماضی مسلمانوں کی موجودہ قوت وطاقت اور مستقبل میں اسلام کے غلبہ جیسے مضامین داخل نصاب ہوں۔

۴۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ جامع پروگرام کے تحت طلبہ کی تربیت کا اہتمام لازم ہے۔

۵۔ دینی نظام تعلیم کے فارغ التحصیل طلباء کو دانشگاہی طلباء کی طرح تمام حقوق و مراعات حکومت فراہم کرے۔ ان کے لئے یکساں مواقع فراہم کئے جائیں۔ تاکہ باصلاحیت بچے اس نظام سے منسلک ہوں اور ان میدانوں میں بھی تحقیق کو فروغ ملے۔ جدید افکار و نظریات اجاگر ہوں اور ان علوم و فنون میں امتزاج علوم یا اتحاد علم کے لئے بھیرہ شریف کا نصاب اور نظام بھی اچھا تجربہ ثابت ہوا ہے۔ اس کا مطالعہ کیا جائے۔ جس میں عصری اور دینی علوم میں اس طرح ہم آہنگی پیدا کی گئی ہے کہ مڈل پاس طالب علم داخل کیا جاتا ہے۔ ابتدائی سالوں میں اسلامی علوم کی مبادیات پڑھائی جاتی ہیں۔ تین سال کے بعد طالب ایک سال بورڈ یا یونیورسٹی کا امتحان دیتا ہے اور دوسرے سال دینی علوم کا اسی طرح وہ دونوں علوم کا فاضل بن جاتا ہے۔

۷۔ جامعہ اسلامیہ، بہاولپور اور اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کا قیام بھی اسی فکر کے تحت عمل میں لایا گیا تھا۔ نیز ایران میں وحدت حوزہ و دانشگاہ کا تجربہ اور خاص طور سے جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، قم المقدس کے زیر نگرانی نظام مدرسہ میں ہونے والی تبدیلیوں کا بھی مطالعہ کیا جائے۔ ان سب تجربات سے آگہی

حاصل کرکے اب ہمیں ایک نیا نظام تعلیم ترتیب دینا ہوگا۔ جس کی اساس وحی ہو اور دیگر علوم اس کے تابع ہوں۔
۸۔ اگر پاکستان میں جامعہ الازہر کی طرز کا ایک علمی مرکز قائم ہو جائے۔ جس میں تمام مسالک کے طلبہ بلا تفریق و امتیاز علم حاصل کر سکیں تو اس کے یہاں مثبت اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ تاہم جامعۃ الازھر کے نصاب کو اسلامی تقاضوں اور عصری ضرورتوں کے مطابق ڈھالا جائے۔
ڈاکٹر محمد طفیل صاحب نے اتحاد علم کے حوالے سے بعض خدشات کا اظہار بھی فرمایا اور بعض ایسے نکات کی طرف توجہ دلائی جو اس حوالے سے پوری جدوجہد کو ضائع کر دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض نکات درج ذیل ہیں:
۹۔ اتحاد علم کی خاطر طالبعلم پر یونیورسٹی اور مدرسہ دونوں کا بوجھ بیک وقت ڈال دیا جاتا ہے، جو ناقابل برداشت اور ناقابل تحمل ہے۔ جس کی وجہ سے طلبہ عموماً دونوں طرح کے علوم میں کمزور رہتے ہیں۔
۱۰۔ اس کام میں قانونی مشکلات بھی ہیں؛ کیونکہ آپ قانوناً بیک وقت دو ڈگریاں نہیں لے سکتے۔ نیز ایسا کوئی ادارہ موجود نہیں جو ان دونوں نظاموں کو بیک وقت سمجھ کر اس کی افادیت کو عام کر سکے۔ نیز سائنسی علوم کو وحی کے علوم کے سانچے میں ڈھال سکے۔
۱۱۔ بیک وقت چند زبانیں سکھانا بھی ماہرین لسانیات کے مطابق ایک غلط روش ہے۔ کیونکہ بیک دو یا زیادہ غیر ملکی زبانیں سکھانا۔ انسانی صلاحیت کے ساتھ زیادتی کرنے کے مترادف ہے۔
۱۲۔ اتحاد علم کی یہ کوشش کہ دینی مدرسہ کے طالبعلم کو یونیورسٹی بھیجا جائے بھی خالی از اشکال نہیں ہے؛ کیونکہ طالبعلم جب کالج یونیورسٹی جاتا ہے تو اس کے پاس مدرسہ کی تعلیم کے حصول کے لئے حوصلہ وہمت اور توانائی باقی نہیں رہتی۔ نیز ایسا طالبعلم آہستہ آہستہ دینی مدرسہ کو کئی مادی انگیزوں کے تحت ترک کر دیتا ہے۔ فکر مندی کا موجب یہ ہے کہ مادی علوم، دینی علوم کے اداروں کو ہڑپ نہ کر جائیں۔ پاکستان میں اتحاد علم کے تمام تجربے ناکام رہے ہیں۔ اور اب ایک نئے نظام تعلیم کو فروغ دینا ہے جو اتحاد علم کا علمی نمونہ بنے۔
۱۳۔ ہمارا تعلیمی نصاب حکومتی سطح پر امیر و غریب کی تفریق کا شکار ہے۔ مثال کے طور پر پنجاب حکومت نے دانش اسکول کا جو تصور دیا ہے، وہ تعلیم میں تفریق کی طرف ایک قدم آگے بڑھانے کے مترادف

ہے۔ علم حاصل کرنا سب انسانوں اور سب بچوں کا مساوی حق ہے۔ اس حوالے سے ہماری حکومتوں کو مساویانہ اور عادلانہ رویہ اپنانا ہوگا۔

۱۴۔ دینی علوم ہوں یا مروجہ علوم ان کے نصاب کی ترتیب وتدوین بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ کیونکہ دینی علوم کا نصاب کئی نسلوں سے ایک ہی ہے۔ جب کہ عصری علوم کا نصاب بھی دادا پوتا اور پڑپوتا پڑھتے ہیں۔ ہر پانچ سال بعد نیا نصاب مرتب کیا جائے۔

امت مسلمہ آج جن مسائل سے دوچار ہے۔ ان میں سے چیدہ چیدہ مسائل یہ ہیں:

- ناخواندگی، پس ماندگی اور بے روزگاری۔
- جدید علوم میں ترقی یافتہ ممالک سے پیچھے رہنا۔
- سائنس اور ٹیکنالوجی کے لیے صنعتی ممالک کا محتاج ہونا۔
- اپنے دفاع اور عسکری قوت کے لیے اسلحہ سازوں کا دست نگر ہونا۔
- خوراک میں ترقی یافتہ ممالک کا محتاج ہونا۔
- باہمی محبت، اخوت، یگانگت اور ہم آہنگی کا فقدان۔
- علوم وفنون میں قیادت سے محرومی۔
- دینی علوم میں جمود اور ترقی سے خالی ہونا۔
- جدید علوم وفنون کی ایجاد واختراع نہ کرنا۔
- عالمی سطح پر جدید علمی ترقیوں سے ناواقف رہنا۔

یہ اور اس طرح کے بہت مسائل مسلم ریاستوں اور مسلم معاشروں کو درپیش ہیں۔
ہماری ناقص رائے میں ان مسائل کے کئی بنیادی اسباب ہیں۔

- مسلمانوں میں دینی اور عصری علوم کا متعدد نہ ہو۔
- دینی اور عصری علوم کے متحرک پہلو (Dynamic Aspect) کا فقدان۔
- مسلمانوں کا اپنی مذہبی تعلیم کے باوجود علوم وفنون پر توجہ نہ دینا۔
- درس گاہ میں اسلامی تشخص کا نہ ہونا اور ان پر جدید علوم کا غلبہ۔

- جدید علوم وفنون سے بے بہرہ ہونا۔
- علوم وحی کی وسعت، قدرت اور حکمت سے واقف نہ ہونا۔
- مغربی مرعوبیت کے تحت اسلامی احیاء کی طرف توجہ نہ دینا۔

یہ اور اس طرح کے دیگر رجحانات مسلمانوں میں اس لیے پیدا ہو کر پروان چڑھ رہے ہیں کہ مسلمان تعلیم کو اس کا جائز مقام نہیں دے رہے۔ مسلمانوں کا اختیار کردہ نظام تعلیم وحی کی حکمت سے خالی ہے۔ ان کا نظام تعلیم ثنویت کا شکار ہے۔ ان کے ہاں جدید نصاب موجود نہیں ہے۔ نیز مسلمانوں میں تحقیق کی ثقافت (Research Culture) موجود ہی نہیں ہے۔ اور وہ رسم کہن پر جاری ہیں۔

عصری ترقی کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لیے ضروری ہے۔ کہ مسلمان اپنی ریاستوں اپنے معاشروں اور اپنے اداروں میں تعلیم کو پہلی ترجیح دیں۔ اور اپنی اپنی نسلوں کے لیے ایک اب نیا نظام تعلیم مرتب کریں۔ اس کی اصل وحی کی تعلیم ہو۔ دیگر تمام علوم وفنون اس کے تابع ہوں۔ اور علم کو مومن کی گم گشتہ متاع سمجھ کر ہر جگہ سے تلاش کریں اور ہر صافی چشمے سے حاصل کیا ہے۔

محترم پروفیسر جناب جمیل قلندر صاحب

''اتحاد علم کی اہمیت اور علوم کی دینی ودنیاوی میں تفریق کی نفی''

اس علمی مذکارے میں جناب محترم جناب ڈاکٹر جمیل قلندر صاحب نے گفتگو کرتے ہوئے ''اتحاد علم کی اہمیت اور علوم کی دینی ودنیاوی میں تفریق کی نفی'' پر اپنی مختصر مگر جامع گفتگو میں بتایا کہ ایک عرفانی نگاہ میں دین اور دنیا کی تفریق توحید کے خلاف ہے۔ اور جب ایسا ہے تو توحیدی نگاہ، دین ودنیا دونوں پر ایک ساتھ ہوتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ علوم کی دینی ودنیاوی میں تفریق ایک غلط تفریق ہے اور یہ تفریق توحیدی نظریۂ حیات کے برخلاف ہے؛ کیونکہ توحید کا مقصد یہ ہے کہ دین ودنیا دونوں ایک ہیں۔ اور جہاں تک تعلیم وتربیت کی اہمیت کا تعلق ہے تو اس حوالے سے جناب ڈاکٹر جمیل قلندر صاحب کا کہنا تھا کہ پیغمبر اکرمؐ پر نازل ہونے والی پہلی وحی میں جو اعلان ہوا، اس اعلان میں ہم ایک بنیادی فکر ہم پاتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اے انسان! تو پڑھ، تحقیق کر! لیکن یہ تحقیق ایک چراغ کی روشنی میں ہو اور وہ

چراغ ہے ہدایت کا چراغ۔ وہ اللہ تعالی کے اسم "ربّ" کا چراغ ہے۔ اسی لیے ارشاد ہوا ہے: "اقراء باسم ربّک۔۔۔"

جناب پروفیسر جمیل قلندر صاحب کا کہنا تھا کہ اس آیت میں "اسم" دراصل علامت کے معنی میں ہے اور المفرودات میں راغب اصفہانی کے مطابق "ربّ" عین تربیت ہے: "الربّ ھو التربیۃ" یعنی: "رب، عبارت ہے تربیت سے۔ اور یہ "ربّ" مصدر ہے اور اگرچہ مربی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن در واقع، عین ربوبیت ہے۔ اور ربوبیّت کیا ہے؟ یہاں المفرودات راغب اصفہانی میں ایک بڑا خوبصورت جملہ ہے: "انشاء شئی حالا فحالا الی حد التمام" یعنی: تربیت نام ہے کسی چیز کی ایک حالت سے دوسری حالت میں نشو ونما کا؛ یہاں تک کے وہ شئے مرحلہ تکمیل کو پہنچ جائے۔" یہ تربیت ہے، یہ ربوبیت ہے۔

بنابرایں، تربیت، یعنی "ایک شئے کو ایک حالت سے دوسری حالت میں لے آنا" اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ اللہ تعالی، انسان کا "ربّ" ہے اور اس تناظر میں انسان کو مسلسل ایک چیز میں آگے بڑھنا ہے، پھیلنا ہے اور ترقی کرنا، اوپر چڑھنا ہے اور نیچے گہرائی میں اترنا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس تربیت کو تین ابعاد (Dimensions) میں ہونا چاہیے: ایک تو آگے بڑھنا ہے (تقدّم)؛ ایک نیچے اترنا ہے (گہرائی میں) اور ایک اوپر چڑھنا ہے۔ پس ایک حرکت مستقیم ہے، ایک حرکت افقی ہے اور ایک صعودی ہے۔ اور یہ جو تین بُعدی (dimentsional3) حرکت ہے، اس کے حوالے سے رب کریم نے فرمایا ہے کہ یہ تین جہتوں میں حرکت یا تربیت، اس کا آئین یہ ہے کہ اپنے رب جو کہ عین تربیت ہے اس کی روشنی میں میں ہو، اس کی روشنی میں وہ کچھ پڑھ جو "الذی خلق" یعنی اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے۔

ڈاکٹر جمیل قلندر صاحب نے علامہ اقبال کی کتاب The Reconstruction of religious Thought in Islam سے یہ جملہ نقل فرمایا: "**اسلام کا ظہور، استقرائی فکر کا ظہور ہے۔**" اب "قرأ" اور "استقرأ" کا مادہ ایک ہے اور استقراء کہتے ہیں جزئیات کے مطالعہ کو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کونسی جزئیات کا مطالعہ ضروری ہے؟ جواب یہ ہے کہ تین جزئیات کا مطالعہ ضروری ہے جن کا قرآن کریم نے ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی آیات کا مطالعہ ہے۔ اور پھر ان اصول و قوانین کا مطالعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کے پیچھے کارفرما ہیں۔ دراصل آیات الٰہی، مظاہر قدرت ہیں اور ان مظاہر قدرت پر حاکم قوانین کو "سنن اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کی سنتیں کہا جاتا ہے، جنہیں سائنسدان Laws of nature

کہتے ہیں۔ اور اس سب کچھ کے پیچھے ایک اور Realm ہے جسے "عالم امر" کہتے ہیں۔ اور ان کے فار مولے Conceptual Paradigms ہیں جنہیں کلمات اللہ کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں دین کی جو تعریف بیان کی گئی ہے اس حوالے سے سورہ روم میں بہت عمیق آیت ہے جس میں ارشاد ہوا ہے: "فطرۃ اللّٰہ الّتی فطر النّاس علیھا لاتبدیل لخلق اللّٰہ ذلك الدین القیّم" یعنی: اللہ کی فطرت (Nature&Nurture) جس کے مطابق اس نے بنی نوع انسان کو پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ اصول و قوانین بنائے ہیں جو اس کی خلقت میں کارفرما ہیں، جن میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ تبدیلی اس لیے نہیں ہے کیونکہ خود قرآن کریم تصریح کرتا ہے کہ : "تمّت کلمۃ ربّك صدقا و عدلا لاتبدیل لکلمات اللہ" یعنی: "تیرے پروردگار کے کلمات صدق و عدل میں کامل ہیں، (پس) اللہ تعالیٰ کے کلمات میں کسی تبدیلی اور ترمیم کی ضرورت نہیں ہے۔" کلمات الٰہی کائنات کی "نہائی سچائی" یا Ultimate Truth ہیں۔

تو فطرت الٰہی وہی فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام نوع انسانی کو پیدا کیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے وہ اصول و مسلمات ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ یہی قوانین فطرت ہی تو دین ہے۔ اور جب ایسا ہے تو پھر دین اور دنیا میں دوئیت اور امتیاز کہاں رہا؟ یہی وجہ ہے کہ حضور (ص) کے دور میں دنیا اور دین میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ اسی طرح سے اگر حضرت علی (ع) جن کے بارے میں نبی اکرم (ص) نے ارشاد فرمایا کہ : "انا مدینۃ العلم و علیؑ بابھا" یعنی: "میں میں علم کا شہر ہوں اور علی (ع) اس کا دروازہ ہیں" تو یہ علی (ع) نہج البلاغہ میں کن کن موضوعات پر گفتگو فرماتے ہیں؟ یہاں تک کہ طاؤوس کی خلقت پر ایک فصیح و بلیغ خطبہ ہے۔ اسی طرح چمگاڈر کی تخلیق اور اس کی تخلیق میں پوشیدہ اسرار کا بیان پڑھ کر آپ کو اس خطبہ میں دین و دنیا ایک ساتھ نظر آجائیں گے۔ اسی طرح مچھر کے بارے میں، چیونٹی کے بارے میں آپ کے بیانات۔ اسی طرح مالک اشتر کے نام آپ نے جو خط لکھا ہے۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کو "رب العالمین" قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک نہیں، کئی عوالم کا پالنے والا ہے اور وہ بھی ایسے عوالم کہ ہمارے ایک سائنس کے مطابق یہ جو آسمان دنیا یا (Nearest Heaven) ہے، صرف اسی میں 15 بلین گلیکسیز ہیں اور ہر گلیکسی میں 15 بلین سولر سسٹم پائے جاتے ہیں۔ تو اس سے آپ دیگر چھ آسمانوں (Heavens6) میں جو کچھ ہے اور ان عوالم کی وسعتوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اتنی بڑی عظیم

کائنات کا اللہ تعالی خالق ہے۔ اب ہم کیسے اس شک و تردید میں مبتلا رہ سکتے ہیں کہ آیا ہمیں اس کائنات کو پڑھنا چاہیئے یا نہیں؟ پس ''ربّ العالمین'' (اللہ تعالی کی صفت)، '' رحمۃ للعالمین'' (نبی اکرم (ص) کی صفت) اور '' ذکر للعالمین'' (قرآن کریم کی صفت) یہ تین ایسے تصورات ہیں، ایسے مفاہیم ہیں کہ جو ہماری گفتگو کی جہت متعین کرتے ہیں۔

حضور اکرم (ص) کی حدیث ہے: ''اطلبوا العم و لو بالصین'' یعنی: ''علم حاصل کرو! خواہ تمہیں چین ہی جاناپڑے۔'' میرا سوال یہ ہے کہ اُس وقت چین میں کونسا علم تھا؟ کنفوشش کی تعلیمات؛ اور کنفوشش کی تعلیمات کے حوالے سے مشہور فلسفی ہیگل کی کتاب Lectures on Religion میں کہا گیا ہے کہ کنفوشش کے مطابق کائنات میں قوانین کے دو مجموعے ہیں۔ ایک مجموعہ Rules of Reson ہے اور دوسرا laws of Balance ہے۔ اور laws of Balance سے انحراف کی صورت میں ساری کائنات درہم برہم ہو جائے گی اور Rules of Reson سے اگر ایک معاشرہ انحراف کرے تو یہ معاشرہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔

اب اگر ہم قرآن کریم کا جائزہ لیں تو قرآن کریم نے انہی دو طرح کے قوانین ہی کی تو وضاحت کی ہے۔ خدا نے کائنات کو خلق فرمایا ہے اور اس میں توازن رکھا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: ''و السماء رفعها و وضع المیزان'' البتہ ساتھ یہ ہے کہ: ''ألّا تطغوا فی المیزان و اقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان'' یعنی: ہم اس توازن میں جو اللہ تعالی نے کائنات کے نظام میں رکھا ہے، خرابی اور طغیان نہ کریں۔ اور وزن کو قسط سے قائم رکھیں۔ اور میزان کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

اسی طرح دیگر کئی آیات میں بھی ہر شی کا ایک پیمانہ اور سکیل بیان ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: ''انّا کلّ شئی خلقناہ بقدر'' یعنی ہم نے ہر شیئ کو پیمانوں کے مطابق پیدا کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ہر شیئ کی حدیں، قدریں متعین فرمائی ہیں۔ بنابرایں، قرآن کریم تمام علوم کے بیان میں عصری علوم سے آگے ہے۔ پس ہم کیوں پیچھے رہ گئے۔ ہمارے قدماء جن میں الکندی، الفارابی، ابن سینا، ابن رشد، الغزالی، ملاصدرا اور میر داماد جیسے افراد شامل ہیں سب مختلف علوم میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔

لیکن ہم جو کہ انحطاط کے دور کی پیداوار ہیں، ہمارے لیے یہ امر محل تأمل بن گیا ہے کہ ہم علم کو کیسے justify کریں۔ ہم نے اس مسئلہ کو Controversial بنا دیا ہے۔ حالانکہ یہ آیت (اقرء باسم ربّک الّذی خلق) یہ کہتی ہے کہ پڑھ! لیکن ربوبیت کی صفت کی تجلی میں؛ اس سے الگ اور جدا ہو کر نہ پڑھ۔ اگر آپ

ربوبیت کی تجلی سے الگ ہو کر پڑھیں گے تو یہ علم آپ کو انحراف کے راستوں پر لے جائے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ پڑھیں اور قرآن نے ایک موضوع بھی دے دیا؛ یعنی: "خلق الانسان من علق" یا انسان کی تخلیق کا موضوع۔ نیز قرآن کریم نے گویا ان آیات میں تعلیم کے حصول کی روش بھی بتا دی۔
چنانچہ ارشاد فرمایا: "الذّی علّم بالقلم"، جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ قلم کیا ہے؟ آج قلم، کمپیوٹر بھی ہے اور قلم موبائل بھی ہے۔ حدیث شریف میں قلم کا ایک نام " القلم الاعلی" (Higher Pen) آیا ہے۔ یعنی ایک ایسا قلم جو جیب میں سما جائے اور جس کے اندر سارا ڈیٹا موجود ہوتا ہے۔ اب تو یہ مسئلہ کمپیوٹر نے حل کر دیا۔
خلاصہ یہ کہ ہم علم میں Dualism یا مغایرت کو بر طرف کریں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: "قل سیروا فی الارض لتکون لکم قلوب تعقلون بها" یعنی: "زمین میں سیر وسیاحت کرو تاکہ تمہیں ایسے قلوب حاصل ہوں جن کے ذریعے تم تعقل کر سکو۔" تو اس تناظر میں ہمارے طلباء اور علماء کے لیے "سیر فی الارض" ضروری ہے۔ یہ حکم ہے۔ مغرب میں کیا ہو رہا ہے۔ مغرب میں کون کون سے علوم پڑھائے جا رہے ہیں۔ ان کا منہاج اور method کیا ہے؟
ہمارے ہاں جو درس نظامی تھا وہ ایک مکمل منہج تھا لہٰذا partition کے وقت کا جو درس نظامی کا نصاب تھا اگر وہ Restore ہو جائے تو غنیمت ہے۔ وہ کتابیں جو منطق کی کتابیں، ریاضیات، ہندسہ، فلسفہ، علم کلام، تصوف کی کتابیں، اخلاقیات، اخلاق جلالی، کمالی، بوستان، گلستان وغیرہ بڑی خوبصورت کتابیں ہیں۔ اگر عصری علوم کے ساتھ وہ رائج ہو جائیں تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہو گا۔
میں سمجھتا ہوں ہمارے علماء ہم سے بہت آگے تھے؛ خصوصاً علم لغت میں۔ ہمارے ہاں لسان العرب، تاج العروس، اور مقائیس اللغۃ جیسی اہم تحقیقات کی ہیں۔ مغرب میں تو یہ تحقیقات Semantics یعنی علم المعانی کے نام پر اب شروع ہوئی ہیں۔ اسی طرح فلسفہ کی اپنی اہمیت ہے اور جب تک آپ فلسفہ نہیں پڑھیں گے آپ تعلیم کو نہیں سمجھیں گے۔ جب تک آپ فلسفہ نہیں پڑھیں گے آپ تاریخ کو نہیں سمجھ سکتے۔ وغیرہ وغیرہ۔
ڈاکٹر جمیل قلندر کے مطابق ہمارا المیہ یہ ہے کہ عہدِ پارینہ میں ہمارا جو Excellence تھا وہ فکر میں، استقراء میں وہ ہم نے نصاب سے خارج کر دیا ہے۔ ضرورت اپنے ماحول کے بارے میں آگاہ رہیں۔ ہمارے آگے کیا ہو رہا ہے؟ ہمارے پیچھے کیا ہو رہا ہے؟ اس کو سمجھیں تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں امان میں رکھے۔

یورپ میں ہر ملک کا اپنا ایک فلسفہ ہے لیکن ہمارا کوئی فلسفہ نہیں ہے۔ ہم میں سے ہر فرقے میں سے ایک طائفہ ہونا چاہیے اور طائفہ کا معنی حرکت اور Movement ہے۔ "لیفقھوا فی الدین" تاکہ دین میں تفقہ، حاصل ہو اور فقہ کیا ہے؟ فقہ سوجھ بوجھ یا (understanding) کو کہا جاتا ہے۔ اور تفقہ کے بعد اپنی قوم کو شعور دیں تاکہ وہ اپنی حفاظت کا سامان مہیا کریں۔

خلاصہ یہ کہ ہمیں ایک Holistic Disciplinary طریقے سے علم کو حاصل کرنا ہوگا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس ادارے (جامعۃ الرضا) میں ایک ایسا ماڈل بنادیں تاکہ دوسرے ادارے بھی ہماری پیروی کر سکیں۔

محترم دانشور جناب ثاقب اکبر صاحب

اس محفل مذاکرہ میں جناب ثاقب اکبر صاحب نے گفتگو کرتے ہوئے درج ذیل اہم نکات پر زور دیا:

- جب تک ہم یہ تسلیم نہ کر لیں کہ ہمارے دینی تعلیمی نظام میں کہیں کوئی کوتاہی ہوئی ہے، تب تک ہم اصلاح کی طرف گامزن نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا پہلے مرحلے میں احساس زیاں ضروری ہے؛ تاکہ اصلاح کا ساماں ہو سکے۔
- علوم کی دینی و غیر دینی میں تقسیم غلط ہے۔ اس لیے کہ عالم کائنات، تجلی الٰہی ہے اور تجلی الٰہی کا مطالعہ غیر دینی نہیں ہو سکتا۔
- کلیسا میں رنسانس کے بعد دین کو افیون قرار دے کر میدان سے نکال دیا گیا۔ لہٰذا کائنات کی جو شناخت یورپ میں سامنے آئی وہ مادی شناخت ہے اور یورپ کی تہذیب کی اساس، اسی مادی شناخت پر رکھی گئی ہے۔ جب تک کائنات کی روحانی شناخت نہ ہو، الٰہی تہذیب تشکیل نہیں پا سکتی۔
- جب بھی دینی مدارس، کوئی نصاب تدوین دینا چاہیں تو چونکہ یہ نصاب، انسانوں کے لیے تدوین پانا ہے، پس انسان شناسی کے بغیر کوئی قابل قبول نصاب تعلیم تدوین نہیں پا سکتا۔ لہٰذا ایک درست نصاب کی تدوین کے لیے دقیق انسان شناسی ضروری ہے۔

- دینی مدارس کے نظام تعلیم میں ہم نے سوشل سائنسز کو بھلا دیا ہے۔ حالانکہ معاشرتی تحولات لانے والے، سائنس دان نہیں تھے بلکہ جب بھی معاشروں میں کوئی معاشرتی تحول ایجاد ہوا تو سوشل سائنسز کے ماہرین نے ایجاد کیا۔ ہمیں اس علوم پر گہری توجہ رکھنا چاہیے۔
- اس میں شک نہیں کہ مغرب میں کئی علوم و فنون میں بہت پیشرفت ہوئی ہے۔ یہ انسانی تلاش کا نتیجہ اور انسانیت کی میراث ہے۔ ہمیں اس پیشرفت سے ضرور اپنی حد تک فائدہ اٹھانا چاہیے۔
- مدارس دینیہ کو اس بات پر غور و فکر کی ضرورت ہے کہ وہ یونیورسٹیز کو کیا دے سکتے ہیں اور یونیورسٹیز سے کیا حاصل کر سکتے ہیں۔ یونیورسٹیز میں جو علمی پیشرفت ہوئی ہے وہ ہمیں وہاں سے لینا چاہیے۔ اسی طرح تدریس کے طریقوں اور روش Methodology میں جو پیشرفت ہوئی ہے، اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔
- ہمارے پاس دینی تعلیم و تعلم کی ایک تاریخ موجود ہے، اس تاریخی تجربہ کا تحلیلی جائزہ لے کر اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ مثال کے طور پر دار العلوم دیوبند یا دیگر اہم مدارس اور دار العلوم کے تعلیمی نظام کا جائزہ لینا چاہیے اور ماضی کے تجربات کی روشنی میں مستقبل کی راہیں تلاش کرنا چاہیں۔
- تقابلی مطالعات پر دینی مدارس میں خاصی توجہ کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس امر کا اہتمام کیا جائے کہ ہمارے طلباء میں تقابلی مطالعات کا رجحان پیدا ہو۔
- ہمارے مدارس میں تربیت مدرس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جا رہی، اس امر پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔
- اسلام ایک ایسا دین ہے جو کوئی جامد نظام Dictate نہیں کرتا بلکہ ہر دور میں زمان و مکان کے تقاضوں کے مطابق ہمیں اجتہاد کرنا چاہیے۔ ہمیں دینی تعلیم کے لیے ذہین ترین لوگوں کی ضرورت ہے، اس کا اہتمام کیا جائے۔

پروفیسر جناب سید اظہر علی عابدی صاحب

محفل مذاکرہ کے ایک اور خطیب پروفیسر جناب سید اظہر علی عابدی صاحب تھے۔ انہوں نے اپنے خطاب میں درج ذیل اہم نکات کی طرف حاضرین کی توجہ مبذول فرمائی:

- ❖ علم کی حقیقت میں کوئی دوئیت نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا اتحاد علم ضروری ہے اور ہمیں دو الگ الگ تعلیمی نظاموں کی دلدل سے نکلنا ہوگا۔
- ❖ مدرسہ اور یونیورسٹی کے درمیان ایک بہت بڑا Communication Gap پایا جاتا ہے۔ اس Gap کو ختم کرنا نہایت ضروری ہے۔
- ❖ دینی مدارس میں نیچرل سائنسز کو سرے سے بھلا دیا گیا ہے۔ اگر آفاق میں آیات الٰہی کے سوا کچھ نہیں پایا جاتا تو پھر نیچرل سائنسز جو کہ آفاق ہی کے مطالعہ کا نام ہیں، ان کی ہمارے مدارس میں تعلیم کیوں نہیں دی جاتی۔ کم از کم ہمیں معلوم تو ہو کہ کائنات ہے کیا اور نیچر اپنے دل میں کیا کیا آیات الٰہی لیے چلتی ہے۔
- ❖ خلاصہ یہ کہ

؎ عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں ‌ ‌ ‌ ‌ تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے!

سجاد حیدر، کفایت حسین، سینئر طالبعلم جامعہ الحجۃ

محفل مذاکرہ میں چند مدارس کے بعض سینئر طلباء نے بھی شرکت کی اور اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اس حوالے سے جامعۃ الحجۃ کے دو سینئر طالبعلم سجاد حیدر اور کفایت حسین نے گفتگو کرتے ہوئے درج ذیل نکات اٹھائے:

- ❖ قرآن کریم کا بنیادی ہدف عبودیت اور طلب عمران ہے۔ یعنی ایک الٰہی نظام کے تحت اس سرزمین کی آبادانی اور تعمیر و ترقی۔ عمران سے مربوط علوم کو ہم نے یونیورسٹی کے حوالے کیوں کر دیا اور ہمارا دینی نظام تعلیم اس سے لاتعلق کیوں ہے؟ ایسا نہیں ہونا چاہیے اور اس کا لازمہ اتحاد علم اور نیچرل سائنسز کو بھی دینی تعلیمی ماحول میں لانا ہے۔

- اگر یونیورسٹی کو یونیورسٹی ہی رکھنا ہے تو سوال یہ ہے کہ آیا مسلمان ممالک کی یونیورسٹیز میں عبودیت پروردگار کی تعلیم وتربیت دی جاتی ہے؟ کیوں نہیں؟ کوئی راہ حل نکالنا ضروری ہے۔
- ہمارے مدارس میں ایسے طلباء کو داخلہ دیا جائے جو outstanding ہوں۔

سینئر طالبعلم میثم علی، علی عمران، مجتبیٰ حسن اور صابر حسین سراج، جامعۃ الرضا

جامعۃ الرضا کے سینئر طالبعلم جناب میثم علی، علی عمران، مجتبیٰ حسن اور صابر حسین سراج نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے درج ذیل نکات اٹھائے:

- ہمارے دینی پیشواوں کا بیان یہ ہے کہ اگر لوگوں کو ہمارے کلام کی خوبیوں کا پتہ چل جائے تو وہ یقینا ہماری پیروی کریں گے۔ اگر ہمارے دینی مدارس کا نظام، ہمارے دینی پیشواوں کے کلام کا بیان ہے تو ہم کوئی ایسا راستہ نکالنے میں آج تک کامیاب کیوں نہیں ہوئے کہ لوگوں کو ہمارے دینی نظام کی خوبیوں کا پتہ چل سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہمارے دینی مدارس کی تعلیم کے نظام کی ایک بہت بڑی خامی ہے جسے دور کرنے کی ضرورت ہے۔
- دینی مدارس کے نظام میں تین بنیادی خامیاں یعنی: سستی، مایوسی اور احساس کمتری، نظر آتی ہیں؛انہیں دور کرنے کی ضرورت ہے۔
- ہمارے دینی نظام تعلیم میں تعلیم ہے، تربیت کا فقدان ہے۔ اس حوالے سے کوئی راہ حل تلاش کیا جائے۔
- ہمارے ہاں داخلہ کا کوئی خاص معیار نہیں ہے؛ داخلوں کا اچھا معیار قائم کیا جائے۔
- ہماری ذمہ داری عالمی ہے، ہمارے دینی نظام میں پوری بشریت کیلئے کوئی نظام دینے اور مہدویت کے نظریہ کو آگے بڑھانے کا کام انجام نہیں پارہا، اس پر زور دیا جائے۔
- ہمارے دینی مدارس کی تعلیم Oriented Student نہیں ہے۔ طالبعلم کی ضروریات، تقاضوں اور صلاحیتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تعلیمی نظام بنایا جائے۔
- ہمارا دینی نظام جامد ہے، لہٰذا اس اصول پر عمل کرنے کی ضرورت ہے کہ:

. Adopt the nature of water and don,t be the stone